سجدۂ تعظیم

[مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے نام ایک صاحب کا مکتوب آیا تھا جس میں انہوں نے سجدۂ تحیہ کے حق میں متعدد دلائل دے کر دریافت کیا تھا کہ ان دلائل کی بنا پر ایسے سجدے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس کا اصولی اور مفصل جواب تحریر کیا ہے۔ اس سوال وجواب کو افادۂ عام کی غرض سے قارئین ترجمان کے سامنے بھی پیش کیا جارہا ہے۔ اصل مکتوب عربی میں تھا جس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے]۔

سوال:- میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مندرجۂ ذیل دلائل کی بنا پر آیا سجدۂ تحیہ یعنی تعظیمی سجدے کا جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

(۱) سجدۂ تحیہ کی اباحت پر متعدد آیاتِ قرآنی دلالت کرتی ہیں اور یہ آیات منسوخ نہیں ہیں جیسا کہ حاشیہ حسامی میں ذکر کیا گیا ہے "فسجد الملٰئکۃ کلھم اجمعون میں نسخ کا احتمال نہیں ہے" مراد یہ ہے کہ جو آیات اخبارات و واقعات کی قبیل سے ہیں وہ منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ (اور فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی ایک واقعہ ہے لہٰذا اس سے متعلق آیات منسوخ نہیں ہیں)۔

(ب) عبدالرحمٰن بن محمد الدمشقی نے اپنے رسالہ "ناسخ و منسوخ" میں پینتالیس ایسی سورتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی ناسخ یا منسوخ نہیں ہے، ان میں ام الکتاب، سورۂ یوسف، سورۂ یسین ... شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ یوسف کی آیت ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدًا بھی منسوخ نہیں ہے۔

(ج) مسلّم الثبوت میں کہا گیا ہے "اذا نسخ الوجوب بقی الجواز (جب وجوب منسوخ ہو جائے تو جواز اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے)۔ اس لیے اگر مذکورہ بالا آیات کو منسوخ سمجھا جائے تب بھی تعظیمی سجدہ

کی اباحت قائم رہے گی۔

(د) فتاویٰ قاضی خاں میں ذکر ہے: "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" (اشیاء میں اصل اباحت ہے) اس لیے چونکہ سجدۂ تحیت کے عدم جواز میں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے یہ مباح ہوگا۔

(ہ) صاحب ہدایہ کا قول ہے: الا انه لم يجد فيه نصًا قاطعًا، لم يطلق عليه لفظ الحرام (البتہ اس بارے میں کوئی نص قاطع نہیں ملی۔ لفظ حرام کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا) چونکہ اس بارے میں کوئی نص قاطع مانع نہیں ہے اس لیے تعظیمی سجدہ جائز ہوگا۔

(و) فتاویٰ عالمگیری جلد ۲، ص۳۶۹ میں یہ عبارت موجود ہے: قال الامام ابو منصور اذا قبل احد بین یدی احد نا الارض او انحنی له او طاطا راسه فلا یکفر به لانه یرید تعظیمه لا عبادته (امام ابو منصور نے فرمایا ہے کہ جب ہم سے کوئی ایک کسی دوسرے کے سامنے زمین بوسی کرے یا اس کے لیے جھکے یا سر جھکائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا مقصود تعظیم ہے نہ کہ عبادت) اس قول کی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ جھکنا مباح ہے۔

(ز) الملتقط کا ذیل کا قول بھی سجدۂ تحیہ کے لیے کافی دلیل ہے

ما کان السجدۃ لها طرفان۔۔۔قال ابن عباس سجدۃ التحیۃ بمنزلۃ السلام ولا باس بوضع الخدین بین یدی الشیوخ۔ السجدۃ اثنان، سجدۃ العبادۃ وسجدۃ التحیۃ۔ فالاول خاصة لله تعالیٰ والثانی بوجه التکریم فی خمسة محل جائز، القوم للنبی والمرید للشیخ والرعیة للملك والولد للوالدین والعبد للمولیٰ فی کل حال یرخص اذا سجد الانسان سجدۃ التحیۃ لا یکفر۔ هذا کله فی قاضی خان وصغیر خان وتیسیر وسراجی وخانی وکافی۔

"سجدہ دو قسم ہے۔۔۔ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سجدۂ تحیہ بمنزلہ سلام ہے اور بزرگوں کے سامنے رخساروں کے ٹیک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سجدے دو طرح کے ہیں، ایک سجدۂ عبادت، دوسرا سجدۂ تحیہ۔ پہلا اللہ کے لیے خاص ہے، دوسرا پانچ مواقع پر بطور تکریم جائز ہے۔ قومؑ کا اپنے نبی کے لیے، مریدؑ کا اپنے شیخ کے لیے، رعیتؑ کا بادشاہ کے لیے، اولادؑ کا والدین کے لیے اور غلامؑ کا آقا کے لیے۔ ان تمام

صورتوں میں سجدہ کرنے کی رخصت ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کے لیے ہو۔ ایسی صورت میں تکفیر نہیں کی جائیگی۔ قاضی خان، صغیر خان، تیسیر، سراجی، خانی اور کافی میں یہ مضامین موجود ہیں۔

(س) جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے :- لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها و لکن لا ینبغی لبشر ان یسجد لغیر اللہ (اگر میں کسی کو حکم دینے والا ہوتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے لیکن کسی بشر کو نہیں چاہیے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے)، اس کے بارے میں محقق عبدالحق دہلوی نے اشعتہ اللمعات میں فرمایا ہے کہ اس سے نسخ کتاب جائز نہیں اور لا ینبغی کے لفظ سے قطعی نہی ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ حدیث مذکور میں سجدۂ ممنوع کا ذکر نہیں اس لیے سجدۂ تعظیمی اس اصولی قاعدے کے مطابق مباح ہوگا کہ: المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل (جب ایک مطلق شے کا علی الاطلاق ذکر ہو تو اس سے مراد اس شے کی کامل شکل ہوتی ہے)۔

(ط) فوائد الفواد نظام الدین اولیا، سیر الاولیا میں بھی سجدۂ تحیہ کے جواز کی بحث ہے اور جلال الدین رومی نے بھی فرمایا ہے۔

سرکش ا: دوست و اسجد و اقترب

ان کتب کا بھی ملاحظہ کر کے جواب دیں۔

جواب :- جو لوگ مذکورہ آیات کی بنا پر سجدۂ تحیت و تعظیم کو جائز سمجھتے ہیں ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن سے استنباط احکام کے طریقہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب قرآن میں آدم کے لیے فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ان کا سجدہ کرنا موجود ہے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ ان کے والدین اور بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آیتیں منسوخ ہوں تو پھر سجدۂ تحیت کے جواز میں کلام کی کیا گنجائش ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ نہ تو فسجد الملئکة کلھم اجمعون والی آیت منسوخ ہے اور نہ سورۂ یوسف کی آیت و رفع ابویه علی العرش و خروا له سجدا منسوخ ہے۔ یہ آیتیں بیان واقعات سے تعلق رکھتی ہیں اس وجہ سے ان کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نسخ اگر واقع ہوتا ہے تو احکام و قوانین میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اخبار و واقعات میں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن میں

جو واقعات بیان ہوئے ہیں یا بعض جگہ پچھلی شریعتوں کے جو حوالے آگئے ہیں کیا وہ مجرد اتنی بات سے کہ وہ قرآن میں مذکور ہوئے ہیں اس امت کے لیے شریعت کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں یا اس امت کے لیے ان کے شریعت بننے کے لیے کچھ اور شرطیں بھی ہیں۔ میرا نقطۂ نظر اس طرح کے تمام واقعات اور حوالوں سے متعلق یہ ہے کہ یہ مجرد قرآن میں مذکور ہو جانے کی وجہ سے امت محمدیہ کے لیے شریعت نہیں بن سکتے بلکہ کتاب وسنت کی دوسری تصریحات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس طرح کے ضمنی واقعات و اشارات سے جو تعلیم نکلتی ہے وہ اس امت میں کس حد تک مطلوب ہے اور کس حد تک مطلوب نہیں ہے۔

قرآن میں حضرت آدم کے ایک بیٹے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کو ان کے بھائی نے قتل کر دینے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ میں تو تم پر قتل کے ارادے سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا خواہ تم مجھے قتل ہی کر ڈالو، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محض اس خدمت کے معاوضہ میں کر دیا کہ وہ ایک خاص مدت تک ان کی بکریاں چرائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان کی قوم کے غنڈوں نے جب ان کے مہمانوں کی فضیحت کرنی چاہی تو انہوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو میری لڑکیوں کے ساتھ کرو، خدارا میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ فوج کی پریڈ کے موقع پر ان کی نماز عصر قضا ہو گئی تو انہوں نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر گھوڑوں ہی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سورۂ کہف میں ایک نیک بندے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اس بنا پر ایک بچہ کو قتل کر دیا کہ انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو گا اور ایک کشتی میں اس بنا پر سوراخ کر دیا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ اس دیار کا بادشاہ کہیں اس کشتی کو قبضے میں نہ کر لے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے واقعات ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور بطریق مذمت نہیں بیان ہوئے ہیں بلکہ بطریقِ مدح بیان ہوئے ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا مجرد اس بنا پر کہ یہ واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں یہ اس امت کے لیے قانون اور شریعت بن جائیں گے؟ اور ایک شخص کے لیے یہ بات جائز ہو جائے گی کہ اگر وہ اپنے کشفی علم سے کسی بچہ کے بارے میں یہ معلوم کرے کہ وہ نافرمان اٹھے گا تو اسے قتل کر ڈالے!

یا اس کی کوئی چیز اس کے لیے فتنہ کا سبب بن جائے تو اس کو تباہ کر ڈالے، یا کوئی شخص اس پر حملہ آور ہو تو اپنے آپ کو بے چون وچرا اس کے حوالہ کر دے، ظاہر ہے کہ ان سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور نفی میں جواب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں، جہاں تک منسوخ ہونے کا تعلق ہے اس کا تو، جیسا کہ عرض کیا گیا، یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ تمام آیتیں بیانِ واقعات و اخبار سے تعلق رکھنے والی ہیں اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اخبار و واقعات میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا جواب نفی میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجرد ان واقعات کا قرآن مجید میں بیان ہو جانا ہی اس بات کے لیے کافی نہ تھا کہ یہ اس امت کے لیے شریعت اور قانون کی حیثیت حاصل کر لیں۔ قرآن مجید میں جہاں اس طرح کے واقعات کا حوالہ آیا ہے اس حیثیت سے آیا ہی نہیں ہے کہ یہ اس امت کے لیے بطور تعلیم و ہدایت کے بیان کیے جا رہے ہوں بلکہ دوسری اصولی تعلیمات کے سلسلہ میں ان کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔ ان ضمنی طور پر بیان شدہ واقعات سے اگر کوئی تعلیم نکلتی ہے تو وہ اس امت کے لیے اسی صورت میں ہدایت اور شریعت کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب کتاب و سنت کی دوسری تصریحات سے بھی اس بات کی تائید ہو جائے کہ اس تعلیم کو اس امت کے اندر بھی باقی رکھنا شارع کو مطلوب ہے یا کم از کم یہ کہ کوئی بات اس کے خلاف نہ پائی جائے۔ لیکن اگر دوسری تصریحات اس کے خلاف ہوں تو اس کے صاف معنی یہ ہونگے کہ اس امت میں اس تعلیم کو باقی رکھنا شارع کو مطلوب نہیں ہے۔

اگر اس طرح کی کوئی تصریح خود قرآن میں ہو تو وہ تصریح اس اشارہ پر مقدم ہو جائے گی جو اس واقعہ سے نکل رہا ہے۔ اس سبب سے نہیں کہ یہ تصریح ناسخ کی حیثیت رکھتی ہے، نسخ کا تو جیسا کہ اوپر گذرا واقعات کے سلسلہ میں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس تصریح کی حیثیت اس امت کے لیے بیان ہدایت کی ہے اور متقدم الذکر واقعہ محض کسی اصولی تعلیم کے سلسلہ میں ضمناً بیان ہوا تھا۔ اس کی حیثیت اگر کچھ تھی تو محض ایک اشارے کی تھی لیکن جب ایک چیز کے بارے میں صاف تصریح وارد ہو گئی ہے تو پھر اس کے بارے میں کسی اشارے کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

اور اگر یہ تصریح قرآن کے بجائے حدیث میں ہو تو بھی اسی کو تقدم حاصل ہوگا۔ اس کے مقابل میں یہ حجت

نہیں پیش کی جا سکتی کہ حدیث قرآن کو کس طرح منسوخ کر سکتی ہے؟ یہاں منسوخ کرنے کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، منسوخ کرنے کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی حکم موجود ہو۔ یہاں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ جو کچھ موجود ہے اس کی حیثیت محض ایک واقعہ کی ہے جو پچھلی امتوں میں سے کسی امت میں یا سابق انبیا میں سے کسی نبی کی زندگی میں پیش آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس امت میں یہ بات بعینہٖ اسی شکل میں مطلوب ہے یا نہیں تو اس کی وضاحت قرآن بھی کر سکتا ہے اور حدیث بھی کر سکتی ہے۔ قرآن کے کسی واضح حکم کو منسوخ کرنے کے لیے تو بلاشبہ حدیث ناکافی ہے لیکن پچھلی امتوں یا سابق انبیاء میں سے کسی کی تعلیم کو یا کسی روایت کو منسوخ کر دینے کے لیے تو حدیث بالکل کافی ہے۔ بے شمار معاملات ایسے ہیں جن میں ہم جانتے ہیں کہ سابق انبیاء کی تعلیم کچھ اور تھی اور ہمارے نبی کریم نے ہمیں اس کی جگہ کوئی اور ہدایت فرمائی اور ہم بے چون وچرا اس کو تسلیم کرتے ہیں، یہ عذر نہیں پیش کرتے کہ کسی سابق نبی کی تعلیم کو حدیث کس طرح منسوخ کر سکتی ہے۔

دونوں آیتوں کی صحیح تاویل

یہاں تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ مسئلہ پر اصولی بحث تھی۔ اب ہم ان دونوں آیتوں پر الگ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں جن کو سجدۂ تحیت کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

پہلی آیت جو پیش کی گئی ہے وہ سورۂ بقرہ کی آیت فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون ہے اس آیت کو اوّل تو سجدۂ تحیت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، فرشتوں نے آدمؑ کو نہ سجدۂ تحیت کیا تھا اور نہ ان کو سجدۂ تحیت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی اطاعت و وفاداری کا ایک امتحان تھا کہ وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں ایک ایسی مخلوق کو سجدہ کرتے ہیں یا نہیں جو خلقت کے اعتبار سے بظاہر ان سے فروتر ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق و مالک کل ہے، وہ جس کو چاہے کسی کے سجدے کا حکم دے سکتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں جو سجدہ کیا جائے گا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ ہوگا کسی غیر کو نہیں ہوگا۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس امتحان میں پورے اترے، انہوں نے بغیر کسی اظہارِ انانیت کے اس کے حکم کی تعمیل کی، صرف ابلیس نے اپنی برتری کے زعم میں اس حکم سے سرتابی کی اور اس جرم میں وہ راندہ گیا۔ ثانیاً اگر یہ فرض بھی کر لیا

جائے کہ یہ سجدہ، سجدۂ تعظیم و تحیت کی نوعیت کی کوئی چیز تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہو گی وہ یہ ہے کہ فرشتوں کے لیے انسان کا سجدۂ تحیت حکم خداوندی کے تحت جائز ہے نہ کہ انسان کا سجدۂ تحیت انسان کے لیے حکم خداوندی کے بغیر آپ ہی آپ اس سے جائز ثابت ہو گا۔ انسان تو اس واقعہ سے من حیث النوع ایک برتر اور مسجود ملائک مخلوق ثابت ہوتا ہے اور اس کا ایک ایک فرد اس شرف میں برابر کا شریک و سہیم ہے پھر اس نوع کے کسی فرد کے لیے یہ بات کس طرح جائز ہو گی کہ وہ اپنی ہی نوع کے کسی دوسرے فرد کے لیے سجدۂ تحیت بجالائے؟ اس واقعہ سے اگر ثبوت ملتا ہے تو انسان کے مسجود ہونے کا ملتا ہے، اس کے غیر اللہ کے سامنے ساجد ہونے کا تو کوئی ادنیٰ اشارہ بھی اس سے نہیں نکلتا۔

دوسری آیت سورۂ یوسف کی آیت ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر جانا بیان ہوا ہے۔ اس آیت کے بارے میں عرض ہے کہ اول تو بعض مشہور مفسرین جن میں امام رازی بھی شامل ہیں، اس آیت کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے سجدۂ تحیت کی ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کی عام تاویل ہی لی جائے جب بھی اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تحیت کے لیے سجدہ کرنے کا رواج تھا میرے نزدیک یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس سجدہ سے مراد محض فی الجملہ کسی کے آگے جھک جانا ہے، اس سے وہ سجدہ مراد نہیں ہے جس کی نمایاں خصوصیت پیشانی کو زمین پر ٹکا دینا ہے اور جو ہمیشہ سے تمام آسمانی مذاہب میں خدائے رب العزت کے لیے مخصوص مانا گیا ہے۔ سجدہ کا لفظ چونکہ عربی زبان میں سر جھکانے سے لے کر زمین پر سر رکھ دینے (وضع الجبھۃ علی الارض) تک کے وسیع مفہوم پر حاوی ہے اس وجہ سے یہ لفظ تورات اور قرآن دونوں میں سر جھکا دینے سے لے کر ماتھا ٹیک دینے تک کے ہر درجہ کے مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض واقعات کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعظیم بجالانے کے لیے انہوں نے سر جھکایا۔ اس سر جھکانے کا مفہوم تورات کے اردو ترجموں میں "جھکنے" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، انگریزی ترجمہ میں (BOW) کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے اور عربی ترجمہ میں وہی مفہوم سجد الی الارض کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ لغوی اور اصطلاحی

دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم تو وضع الجبهة على الارض ہے جو ہمارے ہاں سجدہ کی اصلی صورت ہے۔ لیکن بعض جگہ یہ اپنے لغوی مفہوم میں محض سر جھکانے کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہُوا ہے۔ مثلاً فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (۵۸۔بقرہ) "پس کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو فارغ البالی کے ساتھ اور داخل ہو خیمۂ عبادت کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے" بالکل اسی طرح سورۂ یوسف والی آیت میں بھی یہ لفظ اپنے عام لغوی مفہوم میں استعمال ہُوا ہے اور اس سے ہمارے اصطلاحی سجدہ کے بجائے وہ سر جھکانا مراد ہے جس کا بنی اسرائیل میں عام طور پر رواج رہا ہے اور جس کی مثالیں قدیم زمانہ سے دوسری قوموں میں بھی ملتی ہیں۔

بہر حال سورۂ یوسف کی آیت میں جس سجدے کا ذکر ہے اس سے مراد محض سر جھکا کر تعظیم بجالانا ہے لیکن اگر کوئی شخص لفظ سجدہ کے اس لغوی مفہوم سے ناواقفیت یا بنی اسرائیل کے مجلسی آداب سے بے خبری کے سبب سے اس بات پر اصرار ہی کرے کہ اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو ہم نمازوں میں کرتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتا ہے بس یہی تو ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تکریم کے لیے سجدے کا طریقہ رائج تھا، اس سے یہ استدلال تو کسی صورت میں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہی طریقہ اسلام میں بھی جائز یا پسندیدہ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام یا ان کے بیٹوں کے کسی فعل کو اسلام میں جائز یا ثواب ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کی تصریحات سے کوئی دلیل لائی جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق تو قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا۔ لیکن محض اتنے سے اسلام میں اونٹ کا گوشت حرام نہیں ہو گیا بلکہ اس کی قربانی اسلام میں بہترین قربانی قرار دی گئی، کیونکہ اس معاملہ میں فیصلہ کن دوسری تصریحات تھیں اور ان سے اونٹ کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ اس کی حرمت۔

سجدہ سے متعلق قرآنی تصریحات اب آئیے دیکھیے کہ سجدے سے متعلق اس امت کو نفی یا اثبات کی صورت میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان سے کہیں بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کر سکتا ہے۔ پہلے قرآن کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے، اس کے بعد ہم احادیث پیش کریں گے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (۳۷- فصلت) — نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ (۱۸ الحج) — کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (۱۵- رعد) — اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خواہ راضی خوشی یا مجبورانہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ (۲۰۶- الاعراف) — جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے اعراض نہیں کرتے بلکہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

سجدے سے متعلق بے شمار آیات میں سے یہ چند آیتیں ہم نے نقل کی ہیں کیا ان کو پڑھ کر کوئی معقول آدمی بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ اسلام میں یہ چیز اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لیے بھی جائز ہو سکتی ہے؟

سجدے سے متعلق احادیث کی تصریحات | اب آیئے چند احادیث بھی ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو وہاں عیسائیوں کو انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں کو سجدے کرتے ہیں۔ وہ جب وہاں سے لوٹے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا معاذ، یہ کیا؟ انہوں نے کہا، میں نے اہل شام کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ، یا رسول اللہ، اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اس پر حضور نے فرمایا کہ لوکنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا لعظم حقہ علیھا۔ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے سجدے کا حکم دینے والا ہی ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، کیونکہ اس کا حق اس کے اوپر بہت بڑا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ حضرت سلمان ابھی نئے نئے اسلام سے آشنا ہوئے تھے، اسلام کے مزاج اور اپنی قومی روایات کے مزاج کے فرق کو اچھی طرح سمجھ نہیں پائے

تھے کہ ایک روز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں کہیں دیکھا اور آپ کو سجدہ کر دیا۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لاتسجد لی یا سلمان واسجد للحی الذی لا یموت یہ اے سلمانؓ مجھے سجدہ نہ کرو، بلکہ اس زندہ خدا کو سجدہ کرو جو کبھی مرنے والا نہیں ہے۔

یہ دونوں حدیثیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۂ یوسف کی زیر بحث آیت کے تحت نقل کی ہیں۔ ابن کثیر کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ بغیر تنقید کے حدیثیں نقل نہیں کرتے۔ ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ اس زمانہ میں سجدۂ تحیت کا رواج اگر تھا تو عیسائیوں اور مجوسیوں میں تھا، وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے تھے۔ اسی رسم سے متاثر ہو کر حضرت معاذ اور حضرت سلمان نے بھی آپ کو سجدہ کرنا چاہا لیکن حضور نے ان کو منع فرما دیا کہ اسلام میں سجدہ صرف خدائے حی لایموت ہی کے لیے ہے، اس کے سوا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر اچھی طرح واضح تھا کہ معاذ یا سلمانؓ نے آپ کو جو سجدہ کیا ہے وہ آپ کو خدا سمجھ کر سجدۂ عبادت نہیں کیا ہے بلکہ محض سجدۂ تحیت کیا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا، بلکہ نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ اسلام میں سجدہ غیر اللہ کے لیے سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

تعظیم و تحیت سے متعلق امت کا عام رویہ قرآن و حدیث کے بعد دوسری چیز جو اس بارے میں دیکھنے کی ہے وہ امت کا ان معاملات میں عام رویہ ہے۔ مسلمانوں میں سب سے بڑی شخصیت، مرجع عقیدت و احترام ہونے کے لحاظ سے بھی، اور سیاست و اقتدار کے اعتبار سے بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ آپ کے صحابہ آپ کو سجدہ کرنا تو درکنار آپ کے لیے بجیالِ تعظیم کھڑے بھی نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احترام و تعظیم کے ان عجمی طریقوں کو پسند نہیں فرماتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کو دلوں پر حکمرانی کا وہ مقام حاصل تھا کہ بعد کے زمانوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن نہ ان میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ ہی گزرا کہ وہ مسلمانوں سے سجدۂ تحیت کرائیں اور نہ مسلمانوں ہی میں سے کسی نے یہ ذلت گوارا کی کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سجدہ سے اپنی پیشانی کو داغدار کرے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانوں میں اگرچہ مسلمانوں کے مجلسی آداب اور ان کی درباری روایات

میں بہت سی عجمی بدعتیں آگئی تھیں تاہم سجدۂ تحیت تو درکنار مسلمان کسی کے آگے معمولی طور پر سر جھکانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس چیز کا ذکر اگر کہیں ملتا ہے تو مسلمان سلاطین میں سے اکبر کے درباریوں میں ملتا ہے یا پھر تصوف کی ان شاخوں میں ملتا ہے جن میں سنت کے مقابل میں بدعت کا غلبہ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کو دلیل کی حیثیت سے پیش کرے تو وہ بلاشبہ سجدۂ تحیت کے جواز بلکہ استحسان تک کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن اس دَور کی غلط باتوں کو ایک حجت شرعی کی حیثیت سے کوئی نادان ہی پیش کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے | فلسفۂ دین کے پہلو سے اس مسئلہ پر غور کیجیے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت آئیگی کہ اسلام میں صرف صریح شرک ہی حرام نہیں ہے بلکہ وہ ساری چیزیں اور باتیں بھی حرام ہیں جو ذریعۂ شرک یا صورت شرک ہیں۔ اگر اسلام کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ان ساری چیزوں کو بھی حرام ٹھہرا دیتا ہے جو اس حرام کے لیے ذریعہ اور واسطہ بن سکتی ہیں۔ اگر یہ حقیقت آپ تسلیم کرتے کہ سجدہ تذلل و تعبد کی سب سے بڑی نشانی ہے تو اس چیز کو غیر اللہ کے لیے اسلام کس طرح جائز رکھ سکتا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ عبادت نہیں بلکہ سجدۂ تحیت جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ سجدۂ تحیت اور سجدۂ عبودیت کی صورت میں ظاہری فرق کیا ہے؟ پھر سد ذریعہ کے اصول پر اسلام میں یہ کیوں نہ حرام ٹھہرے؟

ضمنی سوالات کا جواب | یہاں تک اصل سوال کے جواب پر گفتگو تھی اور جہاں تک مسئلہ کی تحقیق کا تعلق ہے اس پر اب کچھ مزید کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن مستفسر نے ضمناً بعض اور باتیں بھی ایسی لکھ دی ہیں جن سے ان کے خیال میں سجدۂ تحیت کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ ہم مختصراً ان کی حقیقت بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

مسلم الثبوت کے حوالہ سے یہ اصول پیش کیا گیا ہے کہ "اگر ایک شے کا وجوب منسوخ ہو جائے تو اس کا جواز باقی رہتا ہے"۔ ہم بغیر کسی بحث کے تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ اصول صحیح ہے لیکن یہاں اس اصول کا حوالہ بالکل بے محل ہے۔ جو آیتیں سجدۂ تحیت کے جواز کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہم نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ دو آیتوں میں سے ایک آیت تو سجدۂ تحیت کی بحث سے بالکل ہی غیر متعلق ہے اور دوسری آیت سے اگر کوئی بات نکلتی ہے تو صرف

پر نکلتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سجدہ تحیت کا رواج تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا یہ چیز اس امت میں بھی جائز ہے تو اس سوال کے جواب کا انحصار اس باب میں کتاب و سنت کی دوسری تصریحات پر ہے۔ اور یہ ہم تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ قرآن، حدیث، امت کا عملی تواتر، اور اسلام کا مزاج، یہ ساری چیزیں اس کے خلاف ہیں۔

قاضی خان کے حوالہ سے اس اصول کا ذکر کیا گیا ہے کہ "اصل ہر چیز میں اباحت ہے اگر اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو۔" ہمیں اس اصول کی صحت سے بھی انکار نہیں ہے، لیکن اس کا حوالہ بھی یہاں بالکل بے محل ہے۔ کیونکہ سجدہ کے بارے میں اثباتی طور پر یہ بات موجود ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور منفی پہلو سے یہ بات موجود ہے کہ غیر اللہ کے لیے کسی نوعیت کا سجدہ بھی جائز نہیں ہے۔

فتاوائے عالمگیری کے حوالہ سے امام ابو منصور کا یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی کے لیے زمین بوسی کرے یا جھکے یا سر جھکائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی، کیونکہ یہ اس نے محض اس کی تعظیم کے خیال سے کیا ہے نہ کہ عبادت کے خیال سے۔" اگر امام ابو منصور کا یہ فتویٰ فی الواقع ہے تو ہمیں اس فتویٰ سے اختلاف نہیں ہے۔ یعنی کسی کے آگے جھک جانا یا سر جھکا دینا کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ اس پر کسی کی تکفیر کر ڈالی جائے۔ اس پر اگر اعتراض کیا جا سکتا ہے تو اس پہلو سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ بات ایک سچے موحد کی شان کے خلاف ہے اور اسلام میں اس قسم کے طریقۂ تعظیم کو پسند نہیں کیا گیا ہے لیکن اس پر تکفیر ہرگز نہیں کی جائے گی۔ سجدۂ تحیت کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے۔ امام ابو منصور کے اس فتویٰ کا تعلق اس سے ہرگز نہیں ہے

ملتقط کے حوالہ سے جو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا انتساب حضرت ابن عباس کی طرف میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ یہ بات ان کی طرف کسی مفتری نے منسوب کر دی ہے۔ اول تو تفسیر میں ان کا جو مقام ہے وہی اس کے منافی ہے کہ اس قسم کی لغو بات ان کی زبان سے نکلے ثانیاً تفسیر کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اگلی امتوں میں اس طرح کا سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز تھا لیکن اس امت میں سجدہ صرف جناب رب العزت کے لیے خاص ہو گیا ہے۔

لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد الحدیث سے متعلق عبدالحق محدث دہلوی کی جو تحقیق نقل ہوئی ہے مجھے اس سے بھی اتفاق نہیں ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ یہ بات بجائے خود صحیح ہے لیکن اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ نہ تو یہ نسخ کا محل ہے اور نہ ہم نسخ کا دعویٰ ہی کرتے ہیں۔ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ قرآن سے زیادہ سے زیادہ جو بات نکلتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں اس قسم کے سجدے کا رواج تھا۔ رہی یہ بات کہ اس امت میں بھی یہ بات جائز ہے تو اس کا فیصلہ قرآن و حدیث کی دوسری تصریحات ہی سے ہو سکتا ہے اور وہ اس کے جواز کے خلاف ہیں۔

دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ "لا ینبغی" کے الفاظ سے قطعی نہی نہیں نکلتی۔ چلیے ہم نے مان لیا کہ قطعی نہی اس سے نہیں نکلتی لیکن کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ "لا ینبغی" کے الفاظ جواز و استحسان کے بیان کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں؟ علاوہ ازیں دوسری روایت جس میں حضرت سلمان کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں صاف لا تسجد لی یا سلمان، واسجد للحی الذی لا یموت کے الفاظ وارد ہیں۔ کیا ان الفاظ سے بھی قطعی نہی کا ثبوت نہیں ملتا؟

تیسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سجدہ ممنوعہ کی نوعیت نہیں بیان ہوئی ہے بلکہ ایک مطلق لفظ سجدہ کا وارد ہے اور اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب لفظ مطلق ہو تو اس سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے۔ محقق دہلوی کا مطلب یہ ہے کہ جب یہاں سجدہ تحیت کی تصریح کے بغیر لفظ سجدہ آیا ہے تو اس سے مراد صرف سجدۂ عبادت ہی ہو گا نہ کہ سجدۂ تحیت۔ میرے نزدیک یہ اصول بالکل غلط ہے اور اگر قرآن و حدیث میں اس اصول کا بیبا کانہ استعمال شروع ہو جائے تو سارا دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائیگا۔ میں حدیث تو حدیث قرآن سے سینکڑوں مثالیں ایسی پیش کر سکتا ہوں کہ ایک لفظ مطلق استعمال ہوا ہے اور وہ اپنے بالکل ابتدائی یا ظاہری معنی پر دلالت کرتا ہے اسی طرح وہی لفظ دوسری جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ اپنے انتہائی یا دوسرے الفاظ میں کامل یا حقیقی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مقام اس مسئلہ پر بحث کے لیے موزوں نہیں ہے لیکن اگر کوئی صاحب "المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل" کو ایک قطعی فارمولے کی حیثیت سے پیش کرنے اور اس کی صحت پر مصر ہوں تو میں اس کی غلطی ہر میدان میں ثابت کرنے کے لیے انشاء اللہ حاضر ہوں۔

آخر میں مستفسر نے سجدۂ تحیت کے جواز میں حضرت نظام الدین اولیاء کی بعض کتابوں اور مولانا روم کی مثنوی کا حوالہ دیا ہے۔ میں ان بزرگوں کی حد درجہ عزت کرتا ہوں اور یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی غلط بات اپنی کسی کتاب میں نہیں لکھی ہو گی۔ لیکن اگر خدانخواستہ انہوں نے یہ بات کہیں لکھی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی اس لغزش کو معاف فرمائے اور تمام طالبین حق کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ہمیشہ حق کتاب و سنت سے معلوم کرنے کی کوشش کریں